OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 5, Issue 4 (October-December 2022)

حضرت زینبؑ کی شخصیت اور بحرانی حالات میں نظامت

Personality of Hazrat Zainab and Management in the situations of Crisis

Aftab Khatoon

Lecturer in Islamic History, Govt, Degree College, Gambat

Masooma Danish

M.Phil. Scholar, Institute of Islamic Studies, Shah Abdul Latif University, Khairpur

Naeem Hussain Chang

PHD scholar, University of Sindh Jamshoro

Abstract

One of the many difficulties in Islamic society is that they do not take examples from the ideal personalities of Islam. In this article the researcher has tried that with the help of scientific resources, research should be done on the greatness and sense of governance of Hazrat Zainab in Karbala, because research on the practical nature of the ideal person of Islam can prove to be a symbol of choice. An austere study of historical events in Karbala and Syria confirms the greatness of Hazrat Zainab. It was her genus and wisdom that she everted the victory of Yazid. Being the leader of an unarmed group of defeated people, she applied such shrewd political tactics that completely changed the post-war scenario. Her approach and way of handling the situation could be added as a complete theory to the subject of Political Science. Therefore, at the beginning of this research, the main problems have been given to the definition of crisis, the purpose of governance, the systematic situation, and the life of

Hazrat Zainab ·Then Hazrat Zainab's role in dissolving the crisis of Karbala and the ideal governance has been considered as the imagination of a genus of high rank.

Keywords: Personalities, Governance, Nature, Austere, Systematic

تمہید

حضرت رسول خدا کے اہلبیت عظام کی زندگی کی تاریخ میں ایسے لاتعداد کردار پائے جاتے ہیں جو تمام انسانوں کی زندگی کی مشکلات کو حل کرسکتے ہیں مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے ان عظیم شخصیات کی درست شناخت نہ رکھنے اور ان کی عملی کردار کو زمانے کے تقاضوں سے تطبیق نہ دینے کی وجہ سے ان کو نجات دہندہ قائم کردہ اصولوں سے مستفیض ہونے سے محروم ہیں۔

اس مقالہ میں جو چیز مورد توجہ قرار دی گئی ہے وہ ہے "حضرت زینب کی بحرانی حالات میں نظامت"۔ آپ عالم اسلام کی وہ نامور خاتون ہیں جس نے امام حسینؑ کی تحریک کو تحریف سے بچاتے ہوئے دوام بخشا اور اپنی عاقلانہ نظامت کے ذریعہ آزادگی کے کارواں کی رہبری کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بحرانی حالات کارونما ہوناباوجوداسکے کہ ان سے بچنے کے ضروری اقدامات کئے بھی جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان سے بچا نہیں جاسکتا۔ اس اعتبار سے تمام بحرانی اور مشکل حالات کو رفع کرنا ناممکن ہے، البتہ اگر درست نظامت کے ذریعہ معاشرے میں سکت پیدا ہوسکتی ہے کہ بعض بحرانوں کو اپنی راہ سے ہٹا سکے اور کچھ کو اچھی طرح حل کرلے، لیکن اس امر کے لئے بڑی مہارت اور قابلیت چاہئے تاکہ نظامت کرنے والا بحرانی حالات میں ناکامیوں کو کامیابیوں میں اور بے نظمی کو نظم میں تبدیل کرسکے۔

حضرت زینبؑ بحرانی حالات کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے جو تمہیدی تدابیر اختیار کرچکی تھیں انہی کی بنیاد پر پیش آنے والی بحرانی حالتوں کے دوران یا ان کے بعد فاتحانہ مقابلہ کرتی رہیں اور اپنی اعلیٰ نظامت کے ذریعہ حسینیؑ انقلاب کو دوام کی راہ پر گامزن رکھ سکیں اور اسے انحراف وزوال سے بچانے میں کامیاب ہوئیں۔

تحقیق کے مورد نظر محور

1۔ نظامت

نظامت یعنی معقول منصوبہ بندی کرنے کا علم اور فن، ہماہنگی ایجاد کرنا۔ ایک مخصوص مورد نظر مقصد کے حصول کی غرض سے مختلف اقسام کی فعالیتوں کو منظم کرکے ان کی رہبری کرنا۔ اسی طرح ایک ایسے عمل کو بھی کہا جاسکتا ہے جس سے مطلوب اور اچھے نتائج حاصل ہوتے ہوں، جس کے اثرات زمانے کے گذرنے سے نمودار ہوں۔ لہذا یہ بھی عین ممکن ہے کہ برے نتائج سامنے آجائیں، لیکن یہ سب کچھ نظامت کی کیفیت پر موقوف ہے۔ ہمیں نظامت کا اعلیٰ اور بہترین فن حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی نامور شخصیات کی عملی سیرت میں کامل اور خوبصورت پیرائے میں نظر آتا ہے۔ یعنی ایک ایسی نظامت جو دلوں پر حکومت کرے، جس کا مقصد انسان کی تمام تر صلاحیتوں کا ارتقاء اور حصول کمال ہو تاکہ اسے اذن خداوندی سے اندھیرے کی وادی سے نکال کر نورانیت کی طرف رواں کیا جائے۔ ارشاد خداوندی ہے: اگر! یہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لائیں، ان کے پروردگار کے حکم سے، زبردست اور تعریفوں والے اللہ کی طرف [1] لہذا انبیاء علیہم السلام کی سب سے بڑی ذمہ داری انسان کی راہ سے موانع اور مشکلات کو مرتفع کرکے اس کے لئے ارتقاء کے میدان کو ہموار کرنا ہے۔ نیز اس کی صلاحیتوں کو رشد اور کمال کے لئے مستعد کرنا ہے۔ [2]

انسان اپنی زندگی میں نظامت کے کردار کو اپنانے سے اپنی ذہنی ذکاوت کی بنیاد پر محسوس کر چکا ہے کہ ایک اجتماعی ماحول میں ایک نظامتی اور مدیریتی کا کردار محتاج ہے۔ یہاں پر جو نکتہ قابل اہمیت ہے وہ یہ ہے کہ بلاشک میری یہ تحقیق میرے اخذ کردہ عنوان کو کماحقہ اور تمام جوانب سے محرز نہیں کرتی اس لئے کہ اس (مقالہ) میں مندرج معلومات دسترس میں نہ آنے والی معلومات سے کئی گنا کم ہے۔ ادیان الٰہی اور انبیاء علیہم السلام کا اپنی عملی سیرت میں اس مسئلہ پر بہت دھیان رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اس میں ہمیشہ اچھی طرح کامیاب رہے ہیں کہ نظامت اور رہبری کے عظیم اور لافانی کردار پوری انسانیت کے سامنے پیش کر سکیں۔ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو مقدس دین اسلام میں بھی رہبری کے نمایاں کردار اور نظامت کی اعلی ترین مثالیں ہمیں حضرت رسول خدا ﷺ کی احادیث اور سیرت طیبہ کے بعد آپ کے نواسہ حسینؑ ابن علیؑ کی مجاہدانہ کردار خاص طور پر واقع عاشورہ میں ملتی ہیں۔

حسینیؑ تحریک ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں تمام تر انسانی صلاحیتیں (مضبوط ارادہ اور بحرانی حالات میں تمام امور کے مقابل رشک نظامت وغیرہ) اپنی عظمت اور سرفرازی کے ساتھ نمایاں ہوئی! مطلب یہ کہ ہمیں امام حسینؑ کی تحریک کے ہر پہلو میں آپ کی زبان سے بارز نظامتی اصول ملتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عاشور کا نظامتی کردار آج کل ماحول میں ایک قابل تحقیق زندہ و پایندہ اور مؤثر مسئلہ ہے۔ حضرت زینبؑ کے ذریعہ امام حسینؑ کی عاشورائی تحریک کا پیغام اور اس کا تداوم ایک ایسا قابل تقلید کردار ہے جس سے دین کو زندہ رکھنے کا جذبہ اور معاشرہ کے لئے تعمیراتی نظامت کے اصول کئے جاسکتے ہیں۔ اگر تاریخ اسلام کے اس واقعہ میں حضرت زینبؑ کے نظامتی کردار کو کماحقہ بیان کیا جائے تو اس سے مؤثر استفادہ کیا جاسکتا ہے۔[3]

2۔بحران

ہو سکتا ہے کہ بدو نظر میں بحران کے مفہوم اور موضوع کو بدیہی سمجھا جائے لیکن جب غور و خوض کیا جائے تو پتا چلے گا کہ یہ کوئی عام اور سادہ مسئلہ نہیں ہے مختلف اسکالرس نے اپنے اپنے ڈھنگ میں اس کی تعریف و توصیف کی ہے: ہرمن (Herman) بحران، ایک ایسے حادثہ کو قرار دیتا ہے جو لوگوں کے لئے حیرانی اور الجھن کا باعث بنے، جس کے باعث ان سے منطقی اور مؤثر اقدام کرنے کی طاقت سلب ہو جائے اور ان کے اہداف کے حصول کو خطرے میں ڈال دے۔[4] پررو (Per row) بحران کی تعریف کرنے سے پہلے حادثہ یا معمولی روداد کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: "حادثہ" ایک بڑے سسٹم کے اندر پیدا شدہ ایک ایسے جزوی اختلاف کو کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے سارا سسٹم خطرے میں مبتلا نہیں ہوتا لہذا اس جز کی خرابی یا اس میں ایجاد شدہ اس خرابی کی درستگی کی جائے سسٹم اپنے کام کو جاری رکھ سکتا ہے۔ جبکہ "بحران" کیسی بڑی خرابی کو کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے مکمل سسٹم کے حیات خطرے میں پڑ جاتی ہو اور سسٹم ناکارہ بناتے ہوئے معاشرہ کو پر یقینی خطرہ میں گرفتار کر دے۔[5] ہیبر میس (Haber Mas) بحران اور مشکلات ایجاد کرنے والے حادثات کو دو قسم (طبیعیاتی یا فزیکل (Physical) اور فرضی یا اعتباری (Nominal) میں تقسیم کر کے مورد مطالعہ کرا دیتا ہے۔[6] بہر حال ان تمام نظریات کے تلفیق سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ بحران ایک ایسی گڑبڑ اور اختلال کو کہا جاتا ہے جو طبیعیاتی فرضی ہر دو لحاظ ایک سسٹم تم کو مکمل کر خطرہ سے دوچار کر دے۔ اس اعتبار سے ممکن ہے دو طرح کا بحران معاشرے میں پیدا ہو: ایک تو یہ کہ مکمل سسٹم کو محسوس اور طبیعیاتی طور پر متاثر کرے جس کی وجہ سے اس کا وجود خطرے میں پڑ جائے جبکہ دوسری صورت یہ ہے کہ اعتبار اور حیثیت کو نقصان پہنچانے والا بحران پیدا ہو جائے تو معاشرے کی عزت، آبرو اور حیثیت کو منحط کر دے۔ لہذا بحران معاشرہ کی حیثیت کو متاثر کر دیتا ہے یا پھر اس میں بنیادی تبدیلیوں بالکل ہی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ کربلا کا بحران دوسری یا آخری قسم کا تھا۔ امام حسینؑ کے قیام کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپکے اس مقدس قیام کا بنیادی محور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

تھا۔ امامؑ نے بارہا اپنے قیام کے اس بنیادی ہدف کی وضاحت فرمائی ہے: "میں بخود پسندی اور ذاتی خوشی، فساد اور ظلم کے ادارے سے نہیں بلکہ اپنے نانا کی امت کی اصلاح کی غرض سے قیام کر رہا ہوں"۔ جبکہ اس وقت کی حکومت کا دعویٰ تھا کہ اپ خلیفۂ وقت اور اسلام کے خلاف خروج کر رہے ہیں۔ امام حسینؑ اپنی زبان سے ہر وقت کے ظلم، فساد اور خود پرستی کی نفی فرمائی اور حکومت وقت کے دعوے کے برعکس آپنے تاکید فرمائی اور برملا کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی یہ تحریک ایک صلاحی تحریک ہے، اس کا محور سیرت، سنت اور فرامین رسول خدا(ص) ہیں۔ آپ نے وضاحت فرمائی کہ میرا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ میرا یہی عمل حضرت رسول خدا(ص) اور بابا علی کی طرف سے عین مطابق ہے۔[7]

بحران کے مراحل

بحران کے عموماچار مرحلے ہوا کرتے ہیں:

1۔ بحران کے اسباب وعلل کا تراکم۔ اس مرحلے میں بحران اپنی علامات نمودار کرنے لگتا ہے۔ اگر اسی مرحلے ان علامتوں کی درست نشاندہی کرلی گئی اور ضروری اقدامات اٹھائے گئے تو عین ممکن ہے کہ کے پیدا ہونے سے بچا جاسکے اور اس کے کم نقصانات اٹھانے پڑیں۔

2۔ بحران کا وقوع: اس مرحلہ میں بحران کے اسباب یا محرکات بحران کے واقع ہونے کا سبب بن چکے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بحران ایک قابل حس ڈراؤنی حقیقت کے روپ میں پیدا ہو جاتا ہے ہے۔

3۔ بحران کا تھم جانا: عموما اس مرحلہ میں بحران کی شدت قابل ملاحظہ حد تک ہو چکی ہوتی ہے۔

4۔ حالات کا بہتر ہونا: اس مرحلے کا تعلق اس وقت سے ہے جس وقت ادارہ نیز متاثرہ اور غیر متاثرہ افراد کے لیے خطرہ ٹل جانے کی علامات رونما ہونے لگتی ہیں۔[8]

نمونۂ عمل اور اسوہ قرآن کی نگاہ میں

جو بنیادی بات آسمانی اور الٰہی ادیان کو انسانی مکاتب فکر سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ کہ جب ادیان الٰہی کسی عقیدہ کو بیان کرتے ہیں یا انسان کو کسی حکم پر عمل کرنے کا پابند کرتے ہیں تو اس امر میں ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ زمین پر کسی ایسے انسان کو متعارف کرائیں جو اس حکم پر عمل کر کے دکھائے۔ اس لیے کہ تربیت کرنے والا سب سے پہلے خود اپنے مرید یا شاگرد کو خود پرستی سے پرہیز اور انصاف کی عملی تعلیم دے یعنی پہلے مربی خود عمل کرے بعد میں اپنے شاگردوں کو اس پر عمل کرنے کی تلقین کرے۔ اس لئے کہ قول بلا عمل دل پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ قرآن کریم نے نمونہ عمل اور اسوہ کے متعلق واضح ارشاد فرماتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا[9] یقیناتمہارے لئے رسول اللہ بہترین نمونہ عمل ہے البتہ ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ یہ قائدہ فقط رسول خدا کو شامل نہیں ہوتا بلکہ کہ یہ ایک ایسا قانون ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے لیے بھی جاری ہے۔ لہٰذا اللہ تعالی کے تمام پیغمبر ان ساری امتوں کے لئے نمونہ عمل ہیں۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَه۔[10] تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ عمل تھا۔ قرآن مجید ایک اور جگہ بڑے عمیق نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔[11] اے پیغمبر ان! لوگوں سے کہہ دو کہ تم لوگ اگر مجھے اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو محمد ﷺ کی پیروی کرو تو اللہ تم لوگوں سے محبت کرے گا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر پیغمبر نمونہ عمل نہ ہوتے اور اگر آپ ﷺ کا کردار پیروی کرنے کے قابل نہ ہوتا "فاتبعونی" کا کوئی معنی نہ ہوتا۔ اس آیہ شریفہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کہ چونکہ آپ ﷺ عصمت مطلقہ

کے صاحب ہیں اس لئے ایک کامل نمونہ عمل ہیں۔ یہ ایک وسیع قرآنی قاعدہ کا مفہوم ہے جس کی معاشرتی اور دینی اعتبار سے وسیع نتائج ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد۔ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ [12] جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے۔ اس مفہوم کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو جو نظریہ نمونہ عمل اخذ کرنے کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ وہ اجتماعی رسومات اور نسبی معیار کو انسان کی ذاتی اور دینی عظمت کے تعین کے لیے ہرگز کسوٹی قرار نہیں دیتا بلکہ انسان کی قدر و منزلت إن أكرمكم عند الله أتقاكم [13] میں جانتا ہے اور ان تقوی اختیار کرنے کے طریقۂ کار اپنانے کے لئے اسلام کی عظیم ہستیوں خصوصا حضرت رسول خدا کی سیرت طیبہ کو ایک کامل نمونۂ عمل کر دیتا ہے۔ تاکہ تمام انسانوں کے سامنے دنیاوی اور اخروی سعادت حاصل کرنے کے لیے ایک روشن نمونۂ عمل اور آسان راستہ پہچانوائے تاکہ پابندی، عمل اور استقامت جیسی عظیم صفات کے حصول کا بنیادی شوق معاشرے میں ایجاد ہو سکے۔

نمونۂ عمل اختیار کرنے کے فوائد

عملی دینداری کے نتائج جو ایک دیندار انسان کے لئے نمونہ عمل اخذ کرنے کا باعث بنتے ہیں تین طرح کے ہوسکتے ہیں:

الف۔ نمونہ عمل اختیار کرنا دینی احکام کے سمجھنے میں غلطی سے بچاتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ انسان دینی مسائل کو سمجھنے میں غلطی کر بیٹھے یا دین کی بنیادی تعلیمات میں عدم تخصص اور مہارت نہ رکھنے کی وجہ سے حقائق ان کے سامنے غیر واضح ہو۔ اس طرح کی لغزش دینداری کے اعتبار سے دو طرح کا نقصان پہنچا سکتی ہے:

ایک: دین کو سمجھنے میں

دو: اس پر عمل پیرا ہونے میں

مطلب کو بہتر واضع کرنے کی خاطر تاریخ اسلام سے ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

کتب تاریخ میں درج تفصیلات کے مطابق جب امام علی ابن موسیٰ الرضا عباسی خلیفہ مامون کے دور حکومت میں ولی عہد کا عہدہ قبول کر چکے تو خوارج میں سے ایک شخص زہر آلود خنجر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شرف ملاقات کی اجازت طلب کی۔ اذن ملنے پر جب امام کی خدمت میں حاضر ہوا تو کہنے لگا: مجھے آپ سے ایک سوال کرنا ہے؟ امام نے کہا: میں ایک شرط پر تمہیں سوال کا جواب دونگا اور وہ یہ کہ اگر میں جواب دوں اور تو اس سے مطمئن ہو جائے آئے تو جو چیز تیری آستین میں ہے اسے توڑ کر پھینک دوگے! امام کے یہ الفاظ سن کر شخص حیرت زدہ ہو کر تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ سوال پوچھتے ہوئے کہنے لگا۔ آپ اس جابر حکومت میں کیوں شامل ہوئے ہیں حالانکہ آپ کی نظر میں یہ لوگ درست نہیں ہیں آپ تو رسول خدا کے فرزند ہیں کس بات نے آپ کو اس قسم کی شراکت پر راضی کیا ہے۔ امام جواباً کہنے لگے: تیری نظر میں یہ لوگ زیادہ تر نامناسب ہیں یا عزیز مصر اور اہلیان مصر کیا یہ لوگ خود کو موحد نہیں کہلواتے جبکہ مصر کے حکمران اور وہاں کے عوام نا توموحد تھے۔ اور نہ ہی خدا پرست؟ جبکہ حضرت یوسف خدا کے پیغمبر یعقوب فرزند اور خود بھی پیغمبر تھے۔ اس کے باوجود عزیز مصر سے کہاں: مجھے مملکت کے خزانوں کا انچارج بنالے۔

فرعونوں کے ساتھ نشست و برخاست اختیار کی۔ جبکہ میں پیغمبر خدا ﷺ کی اولاد ہوں اور مامون نے مجھے اس کام پر جبراً مامور کیا ہے۔ مجھ پر کیوں ناراض ہو رہے ہو اور میرے اس عمل کو برا سمجھ رہے ہو؟ وہ شخص امام کا جواب سن کر قانع ہو گیا اور کہنے لگا: آپ پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ پیغمبر کے فرزند اور سچے ہو۔[14] یہاں پر امام سمجھانے کے لیے ایک عملی نمونہ عمل کو پیش کرتے ہیں اس لئے کہ عمل میں مختلف افکار اور احتمالات نہیں ہوا کرتے کیونکہ وہ ظاہر اور بدیہی اور سب کے سامنے ہوا کرتا ہے۔ جبکہ ایک تحریر یا بیان اس کے برعکس مختلف معانی اور مفاہیم کا حامل ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر

بعض قدیمی شعراء کی شناخت ہے ان کے اشعار سے ہوتی ہے لیکن اس متعلق محققین کے نظریات اور دعاوں بہت مختلف ہیں جو ان لوگوں کی واقعی شخصیت کے متعلق انہوں نے قائم کرر کھے ہیں حالانکہ اگر ان کی زندگی کی اگر کوئی واضح تاریخ ہوتی ہے تو یہ نظریاتی اختلافات نہیں ہونے دیتے۔ لہذا دین کی دنیا میں اگر اس قسم کے احتمالات اور غلطیوں سے بچناہے تو ایک مجسم نمونہ عمل کی ضرورت ہے۔ب۔ عمل اور نمونہ عمل ایک نظریہ اور عقیدہ کو واقعی اور محسوس شکل میں بدل دیتاہے۔ اکثر اوقات یا ایک قوم کو کسی عمل کی دعوت دی جاتی ہے تو ان کی طرف سے جواب ملتاہے کہ یہ کام نہیں ہونے کا ممکن ہی نہیں یہ کام انجام دے سکیں۔ لیکن اسلام کی عظیم اور نامور شخصیات خاص طرور پر خانوادہ رسول اللہ ﷺ سے وابستہ ہستیوں نے ایسے سارے کام بجالائے ہیں اور اپنی زندگی میں ان کو عملی جامہ پہنایاہے۔ حضرت علی بن موسی الرضاجب مرو تشریف فرماہوتے ہیں باوجود اس کے مامون نے اجازت دے رکھی تھی کہ اپنے خاندان میں سے جن افراد کو چاہیں اپنے ساتھ لاسکتے ہیں لیکن آپ کسی کو بھی اپنے ساتھ نہ لائے یہاں تک کہ اپنے بیٹے امام جوادؑ کو بھی اپنے ساتھ نہ لائے۔ اور جب آپ ولی عہد کا عہدہ قبول کرتے ہیں تو مامون کی مکاریوں سے بچنے کی غرض سے اپنے تمام تر حقوق سے صرف نظر کرتے ہیں اور ایک سادہ مکان میں رہائش پذیر ہو جاتے ہیں۔ کوئی بھی مالی استفادہ نہیں کرتے نہ ہی رشتہ داری کی بنیاد پر کوئی سہولت حاصل کرتے۔[15] اگر یہ سب کچھ فقط الفاظ اور ایک نظریہ یا فقط ایک زبانی دعوے کی صورت میں بیان ہوتا اور اس کی کوئی عملی صورت نہ ہوتی تو بہت سے لوگ یہ کہہ بیٹھتے کہ یہ سب کچھ خالی باتیں ہیں اور غیر قابل عمل ہیں لیکن جب تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسی لاتعداد اسلامی شخصیات کے تذکرے سامنے آتے ہیں جنہوں نے اپنی عملی زندگی میں اس قسم کے تمام افعال کو بجالا کر دکھایاہے اور تمام مسلمانوں کے لئے ایک اسوہ حسنہ چھوڑاہے۔ اس سے ثابت ہوتاہے کہ نمونہ عمل کے مفید اثرات میں سے ایک اثر یہ بھی ہے کہ اس کی رہنمائی سے اقدار ایک خیالی نظری فضا سے عملی رنگ وڈھنگ میں نمودار ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ج۔ نمونہ عمل اختیار کرنے کی زندگی میں اور بھی فوائد ہیں جن میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ نمونہ عمل عملی طور پر ثابت کر کے دکھاتا ہے کہ یہ نظریہ کتنی حدتک قابل عمل ہے اور انسان کتنی حدتک قابل عمل ہے اور انسان کتنی حدتک قرب الٰہی کے درجات طئہ کر سکتاہے اگر بات فقط نظریہ بیان کرنے کی حدتک محدود ہو اور کوئی نمونۂ عمل نہ ہو تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ نظریہ یا عقیدہ کس حدتک کمالات کے درجات تک لے جاسکتاہے لیکن جب نمونہ شخصیات اسلام جیسے نظریہ کو عملی شکل دے دیں اور انسان سمجھ لے گا کہ ایک انسان کس حدتک قرب الٰہی کے درجات طئہ کر سکتاہے یہاں تک کہ مقام" قاب قوسین او ادنیٰ" تک پہنچ جاتے۔ عین اسی طرح کے حضرت رسول خدا ﷺ اپنے اعمال کے ذریعے اس مقام پر فائز ہوئے۔

حضرت زینب کی شخصیت

آپ پانچ جمادی الاولی سنہ پانچ یاچھ ہجری میں امام حسین کی اولاد کے دو یا تین برس بعد میں متولد ہوئے ولادت کے بعد ہے آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ زہرا نام رکھنے کی غرض سے گھر سے بچی کو جناب علی المرتضی میں پیش کیا لیکن آپ نے یہ مسئلہ رسول خدا ﷺ کے سپرد کیا۔ آپ ان دنوں سفر پر تشریف فرماتھے۔ سفر سے واپس آتے ہی سیدہ زینب کی ولادت کی خوشخبری سنی۔ جب بچی کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا یا تو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔[16] کی مصداق زبان مبارک سے بچی کا نام "زینب" رکھا۔ آپ اپنے نانا گرامی حضرت رسول خدا ﷺ بابا علی ابن ابی طالب اور ماں فاطمہ زہرا کے زیر سایہ تربیت پاتی رہیں۔ بچپنا اپنے بھائیوں امام حسن اور امام حسین کے ساتھ گزارنے لگیں سنہ 17 ہجری میں

اپنے چچازاد حضرت عبد اللہ بن جعفر ابن ابی طالب سے شادی کی جن کے پیوند سے آپ کو خدا تعالیٰ چار بیٹے بنام محمد، جعفر، عون اور علی اور ایک بیٹی بنام ام کلثوم عطا کے۔ [17] ان میں سے عون و محمد اپنے ماموں امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ حضرت زینب جب کوفہ میں رہتی تھیں تو وہاں عورتوں کے لئے قرآن مجید کی تفسیر کا درس دیا کرتی تھی۔ بڑے علم و فضل کی مالکہ تھیں یہی وجہ ہے کہ امام سجادؑ آپ کو" عالمہ غیر معلمہ " جیسے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔[18] علی بن ابی طالبؑ کے نامور شاگرد اور مفسر قرآن عبد اللہ بن عباس نے حضرت فاطمہ زہرا کا خطبہ حضرت زینب سے روایت کیا ہے اور" عقیلتنا" کے خطاب سے یاد کیا کرتا تھا۔[19] حضرت زینبؑ خدا کی اطاعت اور عبادت کے ذریعے ولایت کے مقام کو پہنچی ہوئی تھیں۔ایک روایت میں ہے: حضرت زینبؑ نے کوفہ میں اپنی گفتگو آغاز کرنے سے پہلے لوگوں کے مجمع کی طرف خاموشی اختیار کرانے کی غرض سے فقط ایک اشارہ کیا تو سارے مجمع میں سناٹا چھا گیا یہاں تک کہ جانوروں کی گردنوں میں لٹکتی ہوئی کی گھنٹیوں کی آواز بھی خاموش ہوگئی۔ [20] بہر حال حضرت زینبؑ اسلامی تاریخ کی بے مثال خاتون ہیں اور آپ کی زندگی کا گوشہ گوشہ زمانے کی عورتوں کے لئے ایک عظیم نمونہ عمل ہے۔

حضرت زینب کی زندگی کے بحرانی حالات

حضرت زینبؑ اپنی زندگی کی ابتدائی ایام سے ہی اجتماعی اور سیاسی حالات کو اچھی طرح سے معلوم اور محسوس کرنے لگیں گویا کہ ان تاریخی حوادث کا شاہد اور ناظر ہونا تھا تاکہ مناسب موقعہ پر اپنی ذمہ داری کو بطور احسن نبھا سکیں یعنی قافلہ حسینی کو منزل مقصود تک پہنچانا۔ حضرت زینب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرچکی تھی کہ آپ کے والد بزرگوار امارت کے چار سال اور اور کچھ ماہ کے عرصے دوران ناکثین اور مارقین اور قاسطین کی جانب سے ایجاد کردہ مشکلات کو حل کرنے میں دن رات مصروف رہے آخر کار اپنے والد کے زخمی ہونے اور ایک دو دن بعد جام شہادت نوش کرنے جیسے بھیانک مناظر کی شاہد تھیں۔ حضرت علی کے بعد اپنے بھائی حسن کا خلافت پر سرفراز ہونا امت اسلامیہ کے ان سے برتاؤ اور آخر الامر ان کی بھی شہادت کی بھی ناظرہ رہ چکیں تھیں۔ لیکن امام حسینؑ کے ساتھ کربلا کی تحریک میں سیدہ زینبؑ کی شرکت ایک منفرد حکایت ہے۔اس میں بھی سیدہ زینبؑ حوادث اور مصائب کے تیروں کا نشانہ بنتی ہیں اس واقعہ میں اپنے تمام تر مصیبتیں برداشت کیں رشتہ داروں کا قتل عام، بھائی کا مارا جانا اسارت اور قید و بند جو سیدہ زینب نے اپنے سر پر سہے اس واقعہ کے نتیجے میں آپ کو قید ہونا تھا اور عین قید کی حالت میں حالات سے مقابلہ بھی کرنا تھا۔ زینبؑ کو فعال مجاہد ہو کے رہنا ہے خطابت بھی کرنی ہے امام سجاد کی محافظت اور قافلہ حسینیؑ کی رہبری بھی، خدا تعالیٰ کی عبادت بھی کرنی ہے شرعی احکام کی تبیین کے علاوہ برین دشمن کی طرف سے اچھالی گئی غلط خبروں اور افواہوں کی تردید بھی آپ ہی کی ذمہ داری تھی۔ شہداء کا پیغام مسلمانوں کے گوشزد کرنا نیز شہداء پر مخالفوں کی ٹھوپی ہوئی ہی تہمتوں کا ازالہ اور حق و حقیقت کو برملا کرنا بھی سیدہ زینبؑ کی ایک کٹھن ذمہ داری بن چکی تھی لہذا اسارت کے دوران جب بھی کوئی شہداء کربلا پر کوئی تہمت لگاتا تھا تو جناب زینبؑ خاموشی ہرگز جائز نہیں سمجھتی تھیں بول پڑتی تھیں اور اس کی تہمت کو باطل کرتی تھیں۔ ایک ہی جملہ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس اسارت کے دوران سیدہ زینبؑ کا ہونا اس امر کا باعث بنا کہ عاشورہ کی تحریک ہر وقت قسم کی تحریف سے محفوظ ہو جائے۔

سیدہ زینبؑ اور بحران کی نظامت

سیدہ زینبؑ کی زندگی میں بہت سارا بحران وقوع پذیر ہوئے یہی وجہ ہے کہ آپ اور آپ کا سارا خاندان ہمیشہ اسلام کی خاطر مجاہدت میں مصروف رہا ہے۔

5۔1 بحرانی حالات کے نظامت اور اس سے مقابلہ کی آمادگی

بحرانی حالات کی نظامت کی تعریف والے بحث میں بیان کر چکے ہیں کہ جن باتوں پر ناظم کو زیادہ دھیان دینا چاہیئے وہ ہے: حالات کے مقابلے کے لئے آمادگی اور تیاری نہ کہ بحران کی وجہ سے پیدا شدہ حالات کا مقابلہ اور معاشرے کی حیات کو جو مسائل للکارتے ہوں ان کا بخوبی مقابلہ کیا جاسکے۔ سیدہ زینبؑ واقعہ کربلا کے بحران کے واقع ہونے سے کئی سال پہلے اپنے والد علی المرتضی اور بعض احادیث کے ذریعے اس واقعہ کی پیش آمد سے کسی حد تا باخبر ہو چکی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ شادی چچازاد عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوئی تھی تو آپ نے اپنے شوہر سے یہ شرط رکھی کہ جب امام حسینؑ سفر جائیں گے تو سیدہ زینبؑ اپنے بھائی کے ساتھ جانے کی اجازت ہوگی۔[21] اسی بنا پر جب امام حسینؑ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور کچھ وقت وہاں رہے اور وہاں سے عراق کی طرف روانہ ہوگئے اس سفر کے دوران منزل بمنزل امام کے ساتھ رہی اور ہر وقت امام اور آپ کے تمام خاندان کی مونس اور ہمراز ہیں۔ فقط یہی نہیں بلکہ واقعہ کربلا سے پہلے اپنی مدنی زندگی کے دوران آپ نے اپنی علمی درس اور جلسات کے ذریعے جو مدینہ میں برپا کرتی رہتی تھیں۔ مجاہد اور نڈر فرزند تربیت کئے جو زندگی کے آخری لمحوں تک علایت اور امامت کے یار سدار دار رہے یہاں تک کہ اسی راہ میں جام شہادت نوش کیا۔

واقعہ کربلا کے بعد بحرانی حالات کی نظامت

1۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ایک عظیم ذمہ داری حضرت زینبؑ سر پر آگئی آپ نے جسمانی اور نفسیاتی اعتبار سے بہت ہی سخت اور سخت اور کٹھن ذمہ داری کو اپنے ذمہ لیا جسے کامیابی سے پورا بھی کر پائیں۔ جسمانی اعتبار سے آپ کی عمر 55 برس تھی اور پانچ ماہ اپنے وطن سے دور عالم غربت میں بسر کر رہی تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے حالات میں آپ کی زندگی کے اوقات کسی عام آدمی کی طرح نہیں گزر رہے تھے۔ خورد و نوش اور آرام کی وجہ سے حالات بہت ہی تبدیل تھے۔ بلاشک ایسے حالات میں مجبور اور پریشان زندگی بسر کر رہی تھیں۔ نفسیاتی اعتبار سے بھی کافی دنوں سے ایک ایسے دشمن کے بڑے لشکر کے گھیراؤ اور محاصرہ میں تھیں جو کسی بھی انسانی اصول کا پابند نہیں تھا اور ان پر کسی بھی قسم کی ظلم کرنے سے گریز کرنے والا نہیں تھا۔ حضرت زینبؑ ایک دن سے کم مدت میں اپنی آنکھوں سے اپنے بیٹے، بھتیجے، چچازاد دشمن کے ہاتھوں دردناک حالت میں قتل ہوتے دیکھ چکی تھیں۔ اس طرح کا دکھ ہر قوی دل انسان کو بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتا ہے اور کافی مدت تک اس معمولی زندگی کو مطلاتم اور پریشان کر دیتا ہے۔ یہ سب کچھ اپنی جگہ لیکن کم از کم ایک ماں ہونے کے ناتے اپنے بچوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے کٹتے کرتے ہوئے دیکھا! بچوں کی بھیانک موت کا منظر ایک ماہ کے لئے کتنا دردناک ہوا کرتا ہے۔ اکثر مائیں تو اپنی اولاد کے غم گم میں سب کچھ کھو بیٹھی ہیں یا کم از کم ایک طویل مدت کے لئے غم کی دنیا میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں لیکن سب سے مہم آپ کے لئے بھائی کی شہادت تھی۔ عاشور کی جب آپ کو بھائی کی شہادت کا یقین ہوا اور امام نے آپ کو اپنی شہادت کی خبر دی تو آپ بے بس ہوگئیں کیونکہ یہ ایک ایسی میں تھی جس کے تحمل کی طاقت زمین اور آسمان کو نہ تھی لیکن ایک ایسی صورتحال میں عقیلہ بن ہاشم کے سر پر ایک عظیم ذمہ داری تھی ایک ایسا ماحول جس میں جسمانی اور نفسیاتی اعتبار سے وہ بھی دشمنوں کے نرغہ میں اسارت کی حالات میں نامساعد تھے جو اس ماحول کی کیفیت بیان کرنے کی طاقت اس قلم میں نہیں ہے۔ ایسے حالات میں سیدہ زینبؑ اپنی ذمہ داری نبھارہی ہیں۔ حضرت زینبؑ نے جو کارنامہ انجام دیا اس کی عظمت کے آگے ہر با انصاف اور حق کا متلاشی انسان سر جھکا کر بیٹھتا ہے اور داد تحسین دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حضرت زینبؑ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد تین ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے سر پر اٹھائے ہوئے تھیں۔

اول: امام سجادؑ کی تیمارداری اور آپ کی جان کی حفاظت۔

دوم: عورتوں اور بچوں کی حفاظت اور حمایت۔

سوم: شہداء کے پیغام کو دنیاوالوں تک پہنچانا اور مسلمانوں کو ظلم اور بیداد گری سے آگاہ کرنا۔

بحران کی نظامت کے دوران حوصلہ کو بلند رکھنا خاص طور پر کھڑے ہونے کے دوران ایک لازمی امر ہے۔ منتظم کو چاہیے کہ اپنے حوصلے کو محفوظ رکھے اور اپنے اعصاب پر تسلط قائم رکھے تاکہ مسائل اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے درست فیصلہ کرے۔ کربلا کے واقعے کے دوران امام سجادؑ کی حفاظت اور ان کو تسلی دیتے وقت آپ کے حوصلے کی بلندی کا قابل صد تحسین تھیں۔ کوفہ کی طرف روانگی کے دوران اسیروں کی درخواست پر قیدیوں کے قافلہ کو شہداء کے جنازوں سے گزارا گیا شاید یہ پہلی بار تھا کہ امام سجادؑ خون و خاک میں لت پت شہداء کے جنازوں کو دیکھ رہے تھے۔ آپ مشاہدہ کر رہے تھے کہ جگر گوشہ رسول خدا ﷺ امام حسینؑ کے ساتھیوں کے جنازے خاک کربلا پر بکھرے پڑے تھے جبکہ عمر بن سعد اپنے سپاہیوں کے لاشوں کو دفنا چکا تھا صورتحال امام سجادؑ بہت گراں گزری ہے سخت متاثر ہوئے کہ شاید آپ کے جسم سے روح نکل جائے ان تمام تر حالات میں امام سجادؑ پر نظر جمائے ہوئے تھیں آپ کی غیر عادی حالت دیکھتے ہی آپ کو تسلی دینے لگتی تھیں اسی دوران حضرت زینبؑ نے ام ایمن سے ایک حدیث نقل کرتے ہوئے امام سجادؑ کو تسلی دی اور کہا: شہداء کی قبریں امام حسینؑ کے عاشقوں کے لئے مرجع ہوگی۔[22] امام سجاد اپنی اس ماجرا کو اپنی زبان سے یوں بیان فرماتے ہیں:

"جب ہمیں کربلا سے کوفہ کی سمت لے جانے لگے میں شہدا کے جنازوں کو دیکھ رہا تھا۔

اور اس سوچ میں تھا کہ انہیں کیوں نہیں دفنایا گیا؟ اس سوچ نے مجھے بہت پریشان کر رکھا تھا مجھے احساس ہو رہا تھا کہ عنقریب میری روح میرے بدن سے مفارقت کر جائے گی پھوپھی زینب نے میری یہ حالت محسوس کر لی اور سمجھ گئیں لہذا کہنے لگیں: اے میرے نانا، بابا اور بھائیوں کی یادگار! تمہیں یہ کیا ہو رہا ہے میں دیکھ رہی کہ تم موت کے قریب ہو رہے ہو؟ میں نے کہا: کیوں گریہ نہ کروں جب کہ میں اپنی آنکھوں سے اپنے سردار بھائیوں، چچاؤں، چچازاد بھائیوں اور احباب کو خاک وخون میں غلطاں ن اور عریان دیکھ رہا ہوں ان کے جنازے زمین کربلا پر بکھرے پڑے ہیں نہ کوئی کفن پہنانے والا ہے اور نہ ہی کوئی ان کو دفنانے والا کوئی ان کے قریب نہیں آرہا کوئی ان کے پاس آکر بیٹھنے والا نہیں گویا کہ یہ دیلم اور خزر کے باشندے ہیں! حضرت زینب نے کہا: یہ جو کچھ تو مشاہدہ کر رہا ہے تمہیں بے تاب نہ کرے یہ سب کچھ تمہارے دادا باب اور چچا کے ساتھ ہے رسول خدا ﷺ کا عہد ہے۔ خدا تعالی اس چند ایسے مومنین کے ذریعے ان کے کٹے ہوئے اعضاء جمع کرائے گا جن کو اس زمین کے فرعون تو نہیں جانتے مگر آسمان والوں کے نزدیک وہ لوگ جانے پہچانے اور معروف ہیں۔ خدا تعالی نے ان لوگوں سے عہد و پیمان لیا ہے کہ ان شہیدوں کے بکھرے ہوئے اعضا کو اکٹھا کر کے دفن کر دیں وہ لوگ تیرے باپ کی قبر پر ایک علامت نصب کریں گے جسے زمانے کا گزر مٹا نہیں سکے گا لیکن کفر اور گمراہی کے پیروکار اسے مٹانے کے درپے لگے رہیں گے لیکن ان کی یہ ساری کوششیں سوائے ان کے نشانات کی سربلندی کے اور کوئی نتیجہ نہیں کر پائینگے۔[23]

شجاعت اور آہنگی دینا:

اکثر ایسے ہوتا ہے کہ خطیب کے سامنے تھوڑی سی گڑبڑیا اس کا کوئی نفسیاتی اور الجھاؤ اس سے بولنے کی جرئت چھین لیتا ہے۔ کئی ایسے لوگ ہیں جو معمولی سی نفسیاتی یا جسمانی مشکل پیدا ہونے کی وجہ سے بولنے کی قوت کھو بیٹھتے ہیں ایک لیکن ایک مقتدر منتظم وہ ہے جو جسمانی اور نفسیاتی اعتبار سے نامساعد حالات کے باوجود اپنے سننے والوں کو اپنے بیان اور خطاب سے متاثر کرے جس کے اندر اتنی قوت برداشت ہو کہ ان ساری پریشانیوں اور دباؤ کو برداشت کرتے ہوئے حالات کا مقابہ کرے اور اپنے ساتھیوں اور سامعین کو اچھی گفتگو مطمئن کرتے ہوئے انحراف سے بچائے۔ حضرت زینب ایک ایسی اعتماد کے بنفس روحانی طاقت کی مالکہ تھیں کہ بدترین حالات کے باوجود بہترین اور با اثر تقریر کر پاتیں۔ آپ اپنے تبلیغی سفر میں کربلا سے کوفہ سے شام تک جسمانی

اور نفسیاتی اعتبار سے ایسے ہر کرب دور سے گزر رہی تھیں جس کی توصیف قلم ہیں تو ان اور بیان کے دائرے سے باہر ہے۔ حضرت زینب اپنی بھائی اور عزیزوں کی عزادار تھی کئی دن گذر چکے تھے کہ کھانے پینے اور ارام سے خاصی حد تک محروم تھی کی۔ بڑی ذمہ داریاں آپ کی کاندھوں پر تھیں۔ عام طور پر اس کے ذمہ داریاں اگر کسی انسان کے سر پر آجائیں تو ان کی فکر اس کو بہت سے کاموں سے باز رکھ دیتی ہے۔ سامعین میں سے اکثر ایسے لوگوں کی تھی جو حکومت وقت کی تبلیغات اور پروپیگنڈا کی وجہ سے امام حسینؑ اور ان کے اقرباء کو باغی میں سمجھ رہے تھے ان کا عقیدہ بن چکا تھا کہ امام حسینؑ اور اس کے ساتھی مسلمانوں کے چین وسکون میں رخنہ ڈالنے والے ہیں۔ یہ لوگ ایک اسیر عورت کی بات سننے کے لئے ہر گز حاضر نہ تھے۔ ماحول بھی تقریر کی لئے مناسب نہ تھا۔ لوگوں کو تالیوں کا شور قیدی بچوں کے رونے کی آوازیں، انٹوں کے گھنٹیوں کی آوازیں، لشکریوں کے آپس میں گفتگو کا شور ہر طرف گونج رہا تھا ایسی صورت حال میں سیدہ زینب نے بولنا شروع کیا ایک تقریر کے لئے۔ بنیادی شرط سامعین کو خاموش کرنا ہوتا ہے تا کہ خطیب کی خطابت کو سن سکیں جو خطیب سامعین کو خاموش کرانہ سکے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے وہ سننے والوں پر کوئی خاص اثر نہیں چھوڑ سکتا۔ ایسی صورتحال میں عوام کو خاموش کرانا کوئی آسان اور عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔

لیکن حضرت زینب ایک ایسی طاقت اور عظمت کی مالکہ تھیں کہ ایک اشارے سے سب کو خاموش کرادیا ساری اوازیں خاموش ہو گئیں۔ اونٹوں کی گردنوں میں لٹکتی ہوئی گھنٹیوں کی اوازیں تھم گئیں۔ یہاں تک کہ سانسیں بھی سینوں میں حبس ہو گئیں۔ راوی کا کہنا ہے۔ میں اس سے پہلے کبھی بھی ایسی باحیاخاتون نہیں دیکھی جس نے زینب کی طرح تقریر کی ہو۔ گویا کہ علی کی زبان سے بول رہی تھی اپنی گفتگو سے کوفے والوں کو حیران ہوا گریان کر دیا وہ لوگ ندامت کی وجہ سے انگشت بدر دندان ہو گئے تھے۔

وقار کے تحفظ کے ساتھ واقعی درست تجزیہ و تحلیل کرنا

منتظم کی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ دار یہ ہے کہ ہر عالمی اپنی استقامت اور وقار کو قائم رکھے تا کہ واقعے کی درست تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے اس سے نمٹنے کا باوقار اور دیرپا اقدام کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ: 1۔ تحت کفالت لوگوں کی نفسیات کمزور نہیں ہوتی۔

مقصد کا درست ہونا لوگوں کے لئے واضح ہو جاتا ہے

حضرت زینب ابن زیاد کی دربار پھٹے پرانے اور میلے کپڑے زیب تن کئے ہوئے عورتوں کے جھرمٹ میں مخفی ہو کر حاضر ہوئی اور ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئیں۔ عورتوں نے اپ کو گھیر لیا تھا تا کہ لوگوں کا توجہ ان کی طرف کم ہو۔ ابن زیاد سارے قیدیوں پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ حضرت زینب کو شرمندہ کرنے کی غرض سے کہنے لگا: وہ عورت کون ہے؟ جو عورتوں کے جھرمٹ میں اس گوشہ میں جا کر بیٹھ گئی ہے۔؟ حضرت آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابن زیاد نے دوسری اور تیسری بار اپنا سوال دہرایا آخر کار ایک عورت بولی یہ زینب رسول اللہ ﷺ کی دختر فاطمہ کی بیٹی ہے! ابن زیاد کا زینب جب سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: خدا کا شکر ہے کہ تم لوگوں اس نے قتل اور رسوا کیا اور برملا کیا کہ تم لوگوں کی باتیں جھوٹ کے علاوہ کچھ نہ تھیں۔ حضرت زینب بولیں: خدا کا شکر ہے جس نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے نسبت رکھنے کی وجہ سے باعزت بنایا اور پلیدی سے پاک رکھا۔ بلا شک فاسق شخص ہی رسوا ہوا اور بدکار جھوٹ بول رہا ہے اور ہم لوگ ایسے نہیں ہیں۔[24]

ابن زیاد حضرت زینب کو شرمندہ کرنا چاہتا تھا حکومت کے بل بوتے پر مقتدر ہونے کے باوجود حضرت زینب کی منطق کے اگے شکست کھا بیٹھا جس کی وجہ سے حواس باختہ ہو کر غضبناک ہو کر آپ کے قتل کا حکم جاری کرنا چاہا۔ جباروں کا طریقہ کار یہی ہوتا

ہے جب منطق اور عقل کے سامنے ہار کھا جاتے ہیں تو غیض وغضب سے تلافی کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن امر ابن حریص نے ابن زیاد کو ایسے حکم کو جاری کرنے سے باز آجانے پر راضی کر لیا۔ جیسے ہی اسیروں کا قافلہ دمشق میں وارد ہوا تو یزید اپنے آپ کو فاتح اور امام حسینؑ کو شکست خوردہ سمجھ رہا تھا اس لئے اپنی کامیابی دکھانے کے لئے دوسرے ملک کے سفیران حکومتی اور عوام کے سامنے برملا کرنا چاہا اس ارادے سے بڑی محفل سجائی گئی شہداء کے سر یزید کے سامنے لا کہ نیزوں پر ہی نصب کر کے کھڑے کر دیے گئے۔ تب حکم دیا گیا کہ اسیروں کو دربار میں پیش کیا جائے۔ اسیر دربار میں جیسے ہی ان کی نظر امام حسینؑ کے مقدس سر اور دیگر شہداء پر پڑی تو ہر ایک اسیر شدت سے اظہار رنج والم کرتا اور نوحہ کرنے لگا۔ حضرت زینبؑ کی نظر جیسے ہی اپنے بھائی امام حسینؑ کے سر پر پڑی تو ایسے دردانگیز لہجے میں رونے لگی کہ سب لوگوں کے دل پانی پانی ہو گئے۔ روتے ہوئے کہا: اے حسینؑ! اے رسول خدا ﷺ کے پیارے! مکہ و منا کے فرزند! اے فاطمہ زہرا کے فرزند! اے محمد مصطفی ﷺ کی بیٹی کے فرزند! حضرت زینب کے ان الفاظ نے منقلب کر دیا۔ خاموش بیٹھا سن رہا تھا اسی دوران خیزران کی چھڑی سے امام حسینؑ کے لبوں اور دندان کو چھوتے ہوئے زبعری کے وہ اشعار پڑھنے لگا جو اس نے جنگ بدر میں کہے تھے۔ محفل میں بیٹھے لوگ حکومت کی تبلیغات کی وجہ سے حقیقتوں سے بے خبر تھے اور انہیں یقین تھا کہ یزید نے ایک باغی گروہ کے کچھ لوگوں کو قتل کیا ہے۔ انہیں اس خواب غفلت سے بیدار کرنا تھا۔ یہ ساری ذمہ داری حضرت زینبؑ کی تھی اس لئے کہ امام سجادؑ اگر زبان کھولتا تو اندیشہ تھا کہ یزید جو اپنی فتح کے غرور میں تھا قتل کروا دیتا لہذا حضرت زینبؑ نے وہ کارنامہ انجام دے کر دکھایا کہ یزید کے توقع کے برعکس محفل کا اختتام ہو حضرت زینبؑ نے اپنے الفاظ سے حق کو برملا کیا اور بیٹھے ہوئے لوگوں کی اذہان کو بیدار سمجھایا کہ امام حسینؑ باغی نہیں ہیں بلکہ مدافع دین نبی ہے۔ ہم آل رسول ﷺ ہیں ایک عظیم الشان معرفت کے موتیوں سے لبریز خطبہ ارشاد فرمایا جو اپنی جگہ پر جداگانہ قابل تشریح ہے۔

بحرانی حالات میں نظامت میں وقت کی درست شناخت

حضرت زینب کی نظامت اور تقدیر نے حالات کو یزید کی مخالفت بنا دیا۔ اس کے بعد یزید نے اپنی رویہ کو تبدیل کر دیا اور اس کوشش میں مصروف ہو گیا کہ کسی نہ کسی طرح امام حسینؑ کے خون سے اپنے آپ کو بری قرار دے اور اس سارے گناہ کو ابن زیاد کی گردن میں ڈال دے۔ یزید نے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ شام میں اہل بیت کا قیام اگر مزید جاری رہا تو حالات اور بھی بگڑ جائیں گے لہذا آپ فوری طور پر اہل بیت کے اسیروں کی مدینہ واپسی کا بندوبست کرنے کا حکم جاری کیا۔ حضرت زینب بھی مدینہ طیبہ کو واپس جانا چاہتی تھی لیکن اپنی ذمہ داری کو مکمل نبھانے کے یزید سے مطالبہ کیا کہ شہداء کی عزاداری کی اجازت دی جائے۔ یزید نے ایک مکان فراہم کیا اور انہی عزاداری کی اجازت نے تین دن تک اپنی عزیز و اقارب شہدا کی عزاداری منائی اور اس روش سے یزید اور یزیدیوں کی سیاست تو مزید برملا کیا۔

خلاصہ

حضرت زینبؑ اپنی آگاہی اور تدبر کی بنیاد پر جس سے پہلے سے دشمن نے جان بوجھ کر عاشور کے واقعہ کی پلاننگ اس نیت سے کر رکھی تھی تاکہ اس کے ذریعے عوام کے دلوں سے حضرت رسول خدا ﷺ کے خاندان کی محبت کو مٹایا جائے۔ لیکن حضرت زینب نے اس کے برعکس اپنی آگاہی اور حسن تدبر کے ذریعے دشمن کے نقشہ کو نقش بر آب کرتے ہوئے نہ فقط مسلمان بلکہ تمام انسانوں کی دلوں میں خاندان اہل بیت خصوصاً امام حسینؑ اور ان کے باوفا جانثاروں کی محبت کی جلا روشن کر دی۔ اب ہمارے اوپر فرض بنتا ہے کہ کربلا کے غازیوں خصوصاً حضرت زینبؑ کی اس کردار کو اپنی زندگی میں نمونہ عمل کے طور پر اختیار کرتے ہوئے اپنی زندگی کی تمامتر بحرانی حالات کی بہترین نظامت کریں اور اس حکمت عملی کے ذریعے زندگی کے دشوار مواقع

کو آسان و شیرین مواقع میں تبدیل کر دیں۔ آخر میں میری سفارش ہے کہ محققین کا ایک ایسا گروہ تشکیل دیا جائے جو اسلام کی تمام نامور شخصیات کی زندگیوں کے متعلق تحقیق و تحلیل کی جائے اور حالات حاضرہ سے ان کو مطابقت کر دی جائے تاکہ وہ تمام حریت پسند انسانوں کے لئے نمونہ عمل اور مشعل راہ قرار پا سکے۔

References

[1] Al-Quran 1:14.
[2] Zainab Mushtāqī, *Khṣūṣiāte-eMadeer Lā,iq-o-Shāista az deed Gāh-e-Islām*, 23.
[3] Bahrām Ḥameed Zāda, *Jalwa Haī Madeerat dar haqīqat Imām Hussain*, 4:334
[4] Asfand Yār S'ādat, *Madeerat Buḥrān*, Issue:110.
[5] Mahdī al-Wānī, *Sāzmān hā ī Buhrān Pazeer-o-Buhrān Sateez*, Issue: 35.
[6] Syed Ḥāshim Rasūlī Muhlāqī, *Zindgānī Imām Hussain* (Irān: Daftar Nashar Farhang Islāmī), 152.
[7] Muhammad Bāqir Majlisī, *Bahār al-Anwār*, 44: 329.
[8] S'ādat, *Madeerat Buḥrān,* Issue: 110:21.
[9] Al-Quran 33:21.
[10] Al-Quran 60:4.
[11] Al-Quran 3:31.
[12] Al-Quran 14:36
[13] Al-Quran 59:13.
[14] Jā'far Murtaza al-Āmlī, *Al-Ḥayāt al-Syāsat-o-Imām al-Razā* (Irān: Jām' tul Madrasain Qum), 61.
[15] al-Āmlī, *Al-Ḥayāt al-Syāsat-o-Imām al-Razā,* 370.
[16] Al-Quran 53:3.
[17] Syed Ḥāshim Rasūlī, Aqeela'-e-Banī Ḥāshim, 39.
[18] Muhammad Hussainī Mahvrī, *'Ashoorā Naqsh bī Rahnumaī Zainab*, 115.
[19] Hussainī Mahvrī, *'Ashoorā Naqsh bī Rahnumaī Zainab*, 117-118.
[20] Syed Muhammad Kāzim Qazweenī, *Zainab az Wilādat tā Shahādat*, 195
[21] Kāzim Qazweenī, *Zainab az Wilādat tā Shahādat,* 61.
[22] Syed Noor al-Dīn Jazā'rī, *Khaṣā'iṣ-e-Zainabia*, 79.
[23] Abū al-Farj Aṣfahanī, *Maqātil al-Ṭālibeen*, 60.
[24] Kāzim Qazweenī, *Zainab az Wilādat tā Shahādat*, 191.